اُردو زبان کے ذخیرے میں عربی زبان کا کردار

ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین*

Abstract:

Urdu language relates to the family of Modern Indo Ariyan Languages developed during the last 1000 years of India. In other words this language is the manifestation of the attainments of muslim culture in India. The influences of Arabic,Turkish and Persian languages are quite visible in alphabets,grammer and glossry of Urdu.In this article influences of the former have been traced.

اُردو زبان پر عربی کے اثر کی وضاحت کے لئے اُردو دائرہ معارف اسلامیہ سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔(۱)

> ''اہل اسلام کی ہندوستان کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں سے اہل ہند کو کئی ایسے فوائد ملے جن کے بل بوتے پر اہل ہند کے افکار اوران کی زندگیوں میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا ان فوائد سے ایک عظیم فائدہ یہ ہوا کہ جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات ہوئیں اور عرصہ ایک ہزار برس یہاں اسلامی حکومت اپنی شان وشوکت سے برقرار رہی تو یہاں کے لوگ ایک عظیم مشترک زبان سے روشناس ہوئے یہ زبان جزیرہ نمائے ہند کے ہر خاص و عام میں مقبول ہوئی اور اس میں دسیوں زبانیں اور سینکڑوں لہجے جمع ہوئے اب یہ صورت حال ہے کہ کسی کا یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اُردو کے بنیادی قواعد اور مفردات صرف دو زبانوں یعنی فارسی اور آریائی ہندی سے مأخوذ ہیں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ زبان ان دو زبانوں کے قواعد مفردات کا ایک عظیم حصہ اوران کی ثقافت اپنانے کی بنیاد پر عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور یہ زبان ہندؤں اور مسلمانوں کے عرصہ دراز تک ایک ساتھ رہنے کا اور ان دونوں اقوام کی تہذیبوں کے امتزاج کا مظہر ہے۔''

دائرة المعارف الاِسلامية میں ہی اُردو کا تعارف یوں کروایا گیا ہے:

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اِسلامی یونیورسٹی، اِسلام آباد

''لفظ 'اُردو' ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا معنیٰ 'چھاؤنی' یا 'لشکر' کے ہیں جیسا کہ واضح ہے کہ اسلامی لشکر متعدد اقوام کا مرکب ہوتا ہے اس میں ترکی، عربی، فارسی اور دوسری متعدد اقوام اور یہاں ہندوستان کے مقامی باشندوں کی ایک کثیر تعداد شامل ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کو افہام و تفہیم کا فائدہ پہنچانے کے لئے ان کی آپس میں بولی جانے والی زبان کو 'اہل اُردو کی زبان' یا 'زبان اُردو' کا نام دیا گیا ہے یعنی 'چھاؤنی والوں کی زبان' یا 'لشکر کی بولی' اور پھر ایک عرصہ دراز گزرنے کے بعد اس زبان کا نام 'اُردو' پڑ گیا۔ پھر ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی بولی جانے والی زبان فارسی تھی اور اس کو بنیادی حیثیت اس لئے حاصل تھی کہ یہ ان کی سرکاری زبان تھی۔ چنانچہ اس موقع پر ہندی نے عوامی حیثیت اختیار کرلی۔ یہ زبان 'پراکرت' کے رستے 'سنسکرت' سے ماٴخوذ تھی پھر جب اس عوامی زبان کا فارسی زبان سے امتزاج ہوا تو اس نے ایک نیا رنگ اختیار کیا اور اسے 'اُردو' کہا جانے لگا۔''(۲)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ زبان مکمل طور پر لشکر یا چھاؤنی کی پیداوار نہیں۔ اس کی وضاحت ماہرینِ فن کے درجِ ذیل اقوال سے ہو جاتی ہے:

۱۔ میر امن دہلوی کہتے ہیں کہ 'اُردو' ان زبانوں کا معجون مرکب ہے جن کا 'دلی کے بازاروں میں چلن تھا' لیکن لسانیات کی جدید تحقیقات سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ مذکورہ نظریہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

۲۔ سر چالس لیل (؟) نے ۱۸۸۰ء میں اپنی تحقیق میں یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ 'اُردو' یا 'ہندوستانی زبان'، 'بالائی دو آبہ' یعنی 'گنگا جمنا' اور مغربی 'روہیل کھنڈ' کی زبان ہے۔ اسے وہاں عام بولی جانے والی زبان کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

۳۔ اسی تحقیق میں ڈاکٹر گریرسن، جونز بلوک، چترجی (چیٹرجی) اور دوسرے ماہرین فن نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اُردو کا منبع 'پراکرت شورینی' اور مغربی 'اپ بھرنش' ہیں جو کہ 'بالائی دوآبہ' میں بولی جاتی تھیں۔

۴۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری کا خیال یہ ہے کہ اُردو زبان 'قدیم پراکرت' کی شاخ ہے جو ادب و ثقافت کی زبان تو نہ تھی البتہ عام بول چال کی زبان تھی اور یہ زبان قواعد و ادب کی زبان گردانی جاتی تھی اور یہ 'پراکرت شورینی' اور 'مغربی اپ بھرنش' سے پہلے استعمال کی جاتی تھی۔ پھر یہ بالائی دوآبہ کی زبان ہے جو 'پراکرت شورسینی' اور 'اپ بھرنش' کے شانہ بشانہ بولی جاتی تھی اور 'پالی' اور 'مغربی شورسینی اپ بھرنش' اسی قدیم پراکرت زبان کی ترقی یافتہ اشکال تھیں لیکن اس زمانے کی تعین و تحدید مشکل ہے جس میں اُردو زبان پیدا ہوئی اور اس نے اپنی بنیاد سے ہٹتے ہوئے مستقل حیثیت اختیار کی۔ اس کے آغاز کے بارے میں اکثر معلومات اندازے پر ہی مبنی ہیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی ابتدائی تشکیل کا زمانہ جدید لسانی علوم کی روشنی میں متعین کیا جائے۔ ذیل

میں تاریخی حیثیت سے ان بحثوں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جو اس سلسلہ میں کی گئی ہیں۔ (۳)

ہندوستان کی قدیم و جدید زبانوں کے محققین کی تحقیقات کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی معلومات کا خلاصہ یہ ہے کہ جدید آریائی ہندی زبانوں کی تشکیل کا زمانہ گیارہویں صدی عیسوی کو گردانا گیا ہے اور یہ زبانیں اپنی اصل زبانوں سے علیحدہ ہو کر نئے خدوخال میں ہزاروی صدی عیسوی کے دوران ڈھلیں انہیں جدید زبانوں میں سے ایک اُردو تھی لیکن ابھی اسے نیا نام نہیں دیا گیا تھا بلکہ وہ اپنے، اپنے متعدد پرانے ناموں سے جانی جاتی تھی پھر ہزارویں صدی عیسوی میں اُردو کے قدیم خدوخال تبدیل ہوئے اور اس نے آہستہ آہستہ جدید شکل وصورت میں ڈھلنا شروع کر دیا۔ ابھی اس کی ابتدائی تشکیل مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان فاتحین دہلی میں داخل ہوئے اور انہوں نے خاص طور پر اس کی تشکیل نو کا بیڑا اٹھایا اور اپنی چھاؤنیوں میں اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں اس کو بطورِ ذریعہ کے اپنایا۔ حتی کہ ۱۱۹۲ء کو اس زبان کی تشکیل نو کا سال گردانا جاتا ہے۔ بعدازاں اس زبان نے وہ شکل اختیار کی جس میں لوگ بآسانی کلام کر کے مستفید ہوئے۔ (۴)

اُردو زبان کی تشکیل میں ایک بڑا حصہ مسلم مبلغین کا بھی ہے۔ یہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پروان چڑھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زبان کی جائے ولادت اور اس کے وطن اصلی کے بارے میں محققین کی آراء میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات یہ بھی مشہور ہے کہ:

> ''سلطان محمود غزنوی' نے جب 'سندھ' اور 'پنجاب' کے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کیئے تو اس نے مفتوحہ علاقوں کا دارالحکومت 'لاہور' کو بنایا۔ 'لاہوار اور 'دہلی' کے درمیان مضبوط تعلقات تھے اور یہ عرصہ دراز سے امراء وسلاطین کے مرکز چلے آتے تھے۔ اسی وجہ سے غزنوی حکومت میں 'دہلی' کو اہمیت حاصل رہی۔ اس دور میں یہی مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے اسلامی لشکر کا صدر مقام تھا اور مبلغینِ اِسلام کا مرکز بھی۔ مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے اِس جم غفیر میں باہمی تفاہم کے لیے کوئی مشترکہ زبان موجود نہیں تھی جو مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لشکریوں اور تبلیغی مراکز میں موجود قسمہا قسم کے افراد کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہوتی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اُردو کو ذریعہ بنایا۔ اس دور میں عربی علمی و دینی زبان تو تھی مگر روزمرہ کی ضروریات اور بات چیت سے اس کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسی طرح ترکی صرف حکمران خاندان اور امراء کی زبان تھی جبکہ فارسی دفاتر، تجارت گاہوں اور تعلیم وتمدن کے مراکز کی دفتری زبان تھی۔ اس دوران جو زبان دہلی، میرٹھ اور ارد گرد کے علاقوں میں رائج تھی اسے 'ہندوی' یا 'ہندی' کہا جاتا تھا اور یہی وہاں کی عوامی زبان تھی۔ اسی بناء پر لوگوں کی ایک کثیر تعداد اسے 'کھڑی بولی' کہتی تھی کیونکہ اس کے قواعد متعین نہیں تھے۔ پھر جب دہلوی یعنی ہندی زبان اور ترکی، فارسی وغیرہ میں اختلاط ہوا تو ایک نئی زبان وجود میں آئی جسے متعدد

ناموں سے پکارا گیا۔ کبھی اسے 'ریختہ' کہا گیا۔۔ کہیں اسے 'اُردوئے معلیٰ' کہا گیا اور کہیں ہندوستانی کا نام دیا۔۔۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اُردو کے جدید خدوخال میں عربی زبان کا اہم کردار ہے یہی وجہ ہے کہ ''ہنود'' اسے مسلمانوں کی زبان شمار کرتے ہیں۔'' (۵)

عربی جو کہ اس وقت علم اور دینی ادب کی زبان تھی اور فارسی جو کہ ہند میں اِسلامی ثقافت کی علم بردار اور تھی اور سرکاری زبان کا درجہ رکھتی تھی، ان دونوں زبانوں نے اُردو کے کمزور پودے کو شجر سایہ دار بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اگر ہندوستان میں اِسلامی فتوحات نہ ہوتیں اور یہاں اِسلامی تہذیب وتمدن کا دور دورہ نہ ہوتا تو آج اُردو کی وہ حیثیت نہ ہوتی جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ آج کی اُردو پر عربی واِسلامی تہذیب کی واضح چھاپ ہے اور ہندوستان میں اسے علی الاعلان مسلمانوں کی نمائندہ زبان کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کا کہنا ہے کہ اردو نے اپنے ظہور کے سلسلے میں مختلف ادوار دیکھے اور اس کی تشکیل مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر ہوئی۔ نو وارد تاثیرات کو اپنے اندر سمو لینا روزِ اول سے اس کا وطیرہ رہا۔ اس کی ایک شکل سند اور ملتان میں ظاہر ہوئی اور پھر یہی عمل پنجاب اور شمال مغربی سرحدی علاقے میں دہرایا گیا۔ یہاں سے چلتے چلاتے اس نے قریباً دوسو سال میں دہلی تک کا سفر طے کیا۔ یہاں اس نے مقامی زبانوں کو بھی اپنے اندر جذب کیا اور اسے عربی تہذیب اور اِسلامی ثقافت سے سیراب ہونے کا بھی خوب موقع ملا۔ اس نئی تاثیر نے اسے 'آسان اسلوب' اور لہجے کی مٹھاس' عطا کی۔ یہیں سے یہ سارے ہندوستان میں پھیلنا شروع ہوئی اور مسلمان غازی، تاجر، حاکم اور مبلغ مختلف حیثیتوں سے برصغیر میں جہاں جہاں پہنچے، یہ زبان بھی ان کے ساتھ وہاں وہاں پہنچ گئی اور مختلف ناموں سے پکاری جاتی رہی۔ چناں چہ جب یہ گجرات پہنچی تو 'گجراتی' کہلائی اور جب دکن گئی تو اس کا نام دکنی ہوا۔ کئی علاقوں میں اس کا سابقہ نام 'ہندی' یا 'ہندوستانی' برقرار رہا۔ اسی عرصے میں اسے کہیں لاہوری اور کہیں دہلوی بھی کہا جاتا رہا۔ (۶) اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اُردو کی جائے پیدائش اور وطن اصلی کی تعیین میں مختلف آراء کیوں پائی جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا تحقیق سے انہی مختلف آراء کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی زبان جب پورے ہندوستان میں پھیل گئی تو اس نے 'اُردو' کا نام اختیار کرلیا جو کہ اس کا موجودہ نام ہے۔

اُردو میں عربی زبان وثقافت کے اثر کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کا رسم الخط عربی ہے۔ اسی اثر کی وضاحت درجِ ذیل دو نقشوں کی مدد سے کی جاسکتی ہے:

پہلا نقشہ

- ہندوستانی زبانوں میں اُردو کی قدیم جڑیں
  - اُردو کی نشو ونما میں عربی زبان کا کردار
    - بذریعہ سندھی و پنجابی (جب مسلمان سند اور ملتان پہنچے)
    - بذریعہ ملیالم (جب مسلمان ملبار پہنچے)

دوسرا نقشہ

- اُردو کی نشو ونما میں عربی زبان کا کردار
  - بذریعہ فارسی (ادبی اور سرکاری زبان)
  - بذریعہ دینی و عربی تعلیم (اس وقت کا واحد تعلیمی نظام)
  - بذریعہ ترکی و مقامی زبانیں (فوج اور عوام کی زبانیں)

پھر جب اُردو ایک زبان کے طور پر متعارف ہوگئی اور پڑھنے پڑھانے والے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کی اہمیت اور بڑھ گئی اور اس کی نسبت قدیم آریائی زبانوں سے ہونے لگی۔ اس طرح زبانوں کی گروہ بندی کے لحاظ سے اُردو قدیم آریائی ہندی یا قدیم پراکرت سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی گروہ میں پنجابی، سندھی، گجراتی، راجھستانی اور مرہٹی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اُردو نے بنیادی الفاظ اور بعض سابقے لاحقے اپنی اصل یعنی آریائی ہندی سے لیے اور وہ نحوی اور ترکیبی جوانب میں دراوڑی، کول یا منڈی زبانوں سے متاثر ہوئی۔ (۷)

صغیر احمد جان کی تحقیق کے مطابق اُردو مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں استعمال ہونے والے اسماء کی ایک بڑی تعداد عربی، فارسی اور سنسکرت سے تعلق رکھتی ہے جبکہ حروفِ عطف و ربط میں سے زیادہ تر پراکرت سے

لیے گئے ہیں، اس کے افعال اکثر ہندی کے ہیں یا کچھ فارسی سے لیے گئے ہیں۔اور کچھ افعال ایسے ہیں جو ہندی ور فارسی وغیرہ سے مرکب ہیں۔ان کے قول کے مطابق اُردو میں دوسری متعدد زبانوں، ترکی، پرتگالی اور انگریزی وغیرہ کے الفاظ بھی ہیں۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اُردو ایک مرکب زبان ہے (۸) البتہ اس کے صرفی، نحوی، صوتی اور لغوی نظاموں میں عربی کی چھاپ بہت واضح ہے، خواہ اس کا ذریعہ براہِ راست عربی زبان ہو یا دوسری زبانوں کے ذریعے عربی الفاظ وتراکیب اُردو میں داخل ہوئے ہوں۔

عربی اور ہندوی کا ملاپ اس وقت شروع ہوا جب یہاں عرب تاجروں کی آمد ہوئی۔یہ تقریباً سن ۲۵ قبل مسیح کا زمانہ بنتا ہے۔اسی زمانہ میں سندھ اور ملیبار کے ساحلوں پر بھی عرب کے تاجروں کی آمد ہوئی۔ساحلی علاقوں میں کچھ عرب آبادیاں عرصۂ دراز تک قائم رہیں۔یہ اس بات مقامی ہندی زبانوں میں عربی کی تاثیر کی بہترین دلیل ہے۔تاریخ بتاتی ہے کہ رفتہ رفتہ عرب ملیبار کی پوری تجارت پر مکمل طور پر حاوی ہوگئے اور یہ سلسلہ دوسری صدی ہجری تک جاری رہا۔ان دنوں ان کی تجارت کا اہم مرکز' کالی کٹ' ہوا کرتا تھا۔پھر جب اسلام آیا تو عرصۂ دراز تک سمندری تجارت پر اکیلے مسلمان غالب رہے۔اس دوران یہاں کی ایک بڑی آبادی مسلمان ہوئی اور عربوں نے یہاں کی مقامی زبان 'ملیالم' سیکھی، جب کہ مقامی باشندوں کو عربی زبان سیکھنے کا موقع ملا۔یہاں کی مشہور قوم 'موپلا' اسی دور کی یادگار ہے جن کی آبادی اب بھی لاکھوں میں ہے۔ان لوگوں کی آپس میں خط وکتابت بھی عربی زبان میں ہوا کرتی تھی۔شاید یہی وجہ ہے کہ ہم 'ملیالم' میں عربی الفاظ کا امتزاج بکثرت پاتے ہیں۔عربوں کا جنوبی ہندوستان کے ساتھ خاص تجارتی تعلق تھا۔ (۹)

ان دونوں علاقوں کے درمیان سیاسی تعلقات کا آغاز اس وقت ہوا جب محمد بن قاسم ثقفیؒ نے ۹۳ھ بمطابق ۷۱۱ء میں بالترتیب سندھ، ملتان اور مکران میں جنگی مہم کا آغاز کیا۔یہی وجہ ہے کہ سندھ میں غالب آبادی مسلمان ہے اور پاکستان کے مسلمان اس علاقے کو ''باب الاسلام'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔یہاں کی سندھی زبان میں بھی عربی الفاظ کا قابلِ ملاحظہ امتزاج پایا جاتا ہے۔پھر یہاں سندھ میں عرصۂ دراز تک عربوں کی حکومت رہی جو پانچویں صدی ہجری تک جاری رہی۔عربوں کے بعد یہاں سلطان محمود غزنوی کی مسلم سلطنت قائم ہوئی۔

عربوں اور مسلمانوں کے قیام کا یہاں کی مقامی زبانوں کی تشکیل وترقی میں بہت بڑا کردار رہا۔اسی کے نتیجے میں بہت سے اہلِ سندو ہند نے عربی زبان سیکھی اور اس کے اسرار ورموز جاننے کے لئے زندگیاں وقف کیں۔اس شوق، محنت، صبر اور لگن کے نتیجے میں وہ عربی کے اس قدر ماہر بن گئے کہ اسی کو اپنے افکار وآراء کی تعبیر کے لئے بہترین ذریعے کے طور پر اختیار کیا۔عباسی دور میں ہندی وغیر ہندی عجمی مصنّفین کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے

جنہوں نے عربی زبان میں یادگار تصانیف چھوڑیں۔ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

۱۔ عبداللہ بن مقفع مترجم کلیلہ ودمنہ

۲۔ بدیع الزمان ہمدانی، موجد فن مقامات

۳۔ قابوس بن وشمگیر مصنف، رسائل البلاغہ

۴۔ ابن مسکویہ

۵۔ ابن سینا، کتاب الشفاء مشتمل بر فلسفہ، قانون وطب

۶۔ ثعالبی

۷۔ البیرونی

۸۔ خوارزمی

۹۔ زمخشری اور

۱۰۔ شہرستانی وغیرہ (۱۰)

سندھ سے تعلق رکھنے والے کچھ ایسے مصنّفین کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابو معشر نجیح سندھی، (متوفی ۱۷۰ھ) مصنف کتاب، فن المغازی

۲۔ ابوعطاء افلح بن یسار سندھی (متوفی ۱۸۰ھ)۔ یہ عربی میں عمدہ شعر کہتے تھے اوران کے بعض اشعار مشہور عباسی ادیب ابوتمام نے دیوانِ حماسہ میں بھی نقل کیے ہیں۔ان کے علاوہ سینکڑوں بڑے بڑے علماء ہیں جنہوں نے عربی زبان میں علوم عربیہ، اسلامیہ اور دوسرے متعدد علوم پر اپنی کتابیں تصنیف کر کے اِسلام کی عظیم خدمت سرانجام دی۔ (۱۱)

عربی زبان عہد اموی وعباسی میں بہت سے مفتوحہ علاقوں میں دفتری اور سرکاری زبان بھی تھی۔ اسی طرح نئے مسلمانوں نے اپنا دین سیکھنے سمجھنے کے لیے بھی عربی سیکھی۔اس طرح یہ سندھ اور ملتان کے مفتوحہ علاقوں میں کافی حد تک رائج ہوگئی، مگر چونکہ اس کا استعمال تمام شعبہ ہائے زندگی میں وسیع پیمانے پر نہیں تھا اس لئے مقامی زبانیں بھی استعمال میں رہیں، اس اختلاط کا ایک اثر یہ ہوا کہ عربی چوں کہ اپنی فصاحت وبلاغت اور قوتِ تعبیر میں ان سب پر حاوی تھی۔اس کے علاوہ وہ فاتحین کی زبان بھی تھی اور دینی زبان بھی، لہذا مقامی زبانوں نے اس کے الفاظ وتراکیب کو وسیع پیمانے پر اختیار کیا۔(۱۲) سندھ اور ملتان میں عربی حکومت چوں کہ کچھ عرصے بعد ختم ہوگئی اس لیے عربی کے تاثیری تسلسل میں وہ زور نہ رہا۔

سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد ہندوستان اور مسلمانوں کے سیاسی تعلقات شمالی ہندوستان کے ساتھ بھی قائم ہوگئے ۔اس عہد کو تاریخِ ہند میں عام طور پر اور ہند کی اِسلامی تاریخ میں خاص طور پر بہت اہمیت حاصل ہے۔غزنوی دورحکومت پنجاب میں قریباً دوسو سال[۱۰۳۲-۱۲۳۲ ہجری،۱۴۱۳-۱۶۱۳عیسوی تقریباً] رہا۔ اس دوران یہاں کے باشندوں نے فارسی زبان کوبطور دفتری زبان اور عربی کوبطورِ دینی زبان سیکھا،جبکہ مسلمانوں نے ہندوی زبان سیکھی۔اس دور کے لوگوں نے عربی، ہندی اور فارسی تینوں زبانوں کتابیں تصنیف کیں اور شعری دیوان مرتب کیے۔(۱۳) دوسری جانب بہت سے ہندوستانی غزنوی حکومت میں اہم مناصب پر فائز رہے جن میں سے 'تِلک' اور 'ناتھ' کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔اسی طرح غزنی میں ہندی سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر تھا جس کی قیادت ایک ایک ہندو ''سوندرراؤ'' کے ہاتھ میں تھی۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ غزنوی حکمرانوں نے اپنا دارالحکومت غزنی کی بجائے پنجاب منتقل کر دیا اور وہ اپنی حکومت کے خاتمے تک وہیں رہے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عربی نے بطورِ دینی زبان اور فارسی نے ساتھ بطورِ سیاسی زبان یہاں کی مقامی زبانوں میں کیا اثرات مرتب کیے ہوں گے۔(۱۴)

۶۰۳ھ بمطابق ۱۶۰۶ء میں زمام اقتدار قطب الدین ایبک مملوکی کے ہاتھوں میں آ گئی۔اس دور میں بیرونی زبانوں عربی، فارسی، ترکی، افغانی اور مقامی زبانوں سنسکرت، پراکرت، برج بھاشا، سوسینی، پنجابی، منڈی، بندیلی اور پوربی زبانوں میں خوب اختلاط ہوا، یہاں تک کہ اسی اختلاط کے نتیجے میں یہاں ایک نئی زبان نے جنم لیا۔اس نئی زبان میں یہاں کی مقامی زبانوں کی ثقافت وتہذیب کی خصوصیات بھی تھیں اور باہر سے آنے والی زبانوں کی تہذیب وثقافت بھی۔اسی زبان کو بعد میں اُردو کہا گیا۔(۱۵) یہ نئی زبان فطرتاً دوسری زبانوں کے الفاظ واسالیب کواپنے اندر جذب کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی چوں کہ عربی اور اسلامی تہذیب نے ہندی تہذیب وثقافت کو پہلے سے بہت نوازا تھا اور اِسلامی تہذیب کے ضمن میں فارسی وترکی زبان وادب کی آمیزش بھی اس میں شامل تھی اس لیے ان تینوں زبانوں کے الفاظ، محاوروں اور اسالیبِ کلام کو بھی اُردو میں خاطرخواہ مقام حاصل ہوا۔ اسی پسِ منظر میں اس نے ایک مشترکہ زبان کا روپ بھی دھار لیا جومختلف لسانی اور تہذیبی پسِ منظر رکھنے والے اِس معاشرے میں باہمی تفاہم کا بنیادی ذریعہ قرار پائی۔۔۔اس زبان کی تشکیل وترقی میں مسلم صوفیہ، اِسلامی افواج اور دینی علماء کا بہت بڑا کردار ہے۔(۱۶)

اُردو نے اپنے صوتی، صرفی، نحوی اور ترکیبی نظاموں کا ایک بڑا حصہ عربی سے حاصل کیا ہے۔عربی کے تمام حروف ابجد اُردو زبان کی لکھائی اور بول چال دونوں میں استعمال ہوتے ہیں، چوں کہ اُردو کا مزاج مکمل طور پر عربی سے ہم

آہنگ نہیں ہے اور اس میں فارسی، ترکی اور دیگر مقامی ہندی زبانوں کا بھی امتزاج ہے اس لیے کئی اصوات کے تلفظ میں وہ دوسری زبانوں سے متاثر ہوئی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اُردو میں کئی عربی اصوات کا تلفظ ایک جیسا ہے جس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱) ت، ط دونوں کو اُردو میں عربی ''تا'' کے مانند بولا جاتا ہے، چناں چہ ''طویل'' اور ''تمام'' دونوں کو اُردو میں ''تویل'' اور ''تمام'' ہی پڑھا جاتا ہے۔

۲) ث ، س، ص: انہیں عربی کے حرف ''سین'' کی طرح پڑھا جاتا ہے جیسا کہ ''کثیر'' ''سفیر'' اور ''محصول'' تلفظ میں ''کسیر'' ، ''سفیر'' اور ''محسول'' آتے ہیں۔

۳) ح، ہ: ا کی ادائیگی ''ھ'' کے انداز سے ہوتی ہے، جیسے ''حلوا'' اور ''ہدایت'' میں ''ہلوا'' اور ''ہدایت'' دونوں کا تلفظ ایک جیسا ہوتا ہے، البتہ بعض اُردو لہجات میں ''ح'' کو عربی کی طرح حلق سے ادا کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ اہتمام زیادہ تر پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا ہے۔

۴) ذ، ز، ض، ظ: چاروں حروف اُردو میں ''ز'' کے صوتی آہنگ میں ادا ہوتے ہیں، چناں چہ ''ذلیل'' ، ''زکوٰۃ'' ، ''فرض'' اور ''ظہر'' کو عربی کے ''ز'' کی طرح ''زلیل'' ، ''زکوٰۃ'' ، ''فرز'' اور ''زہر'' پڑھا اور بولا جاتا ہے۔

۵) ا، ع، ء: یہ تینوں حروف عربی کے ہمزہ اور عین کی درمیانی کیفیت پر بولے جاتے ہیں جیسا کہ ''عمر'' اور ''امر'' کہ ان دونوں کو ''اُمَر'' اور ''اَمَر'' کہا جاتا ہے۔

۶) ق اور ک: کو اُردو کے بعض لہجوں میں عربی تلفظ کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے مگر عموماً اِن دونوں میں بھی فرق نہیں کیا جاتا اور دونوں کا تلفظ 'ک' کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ 'قلب' اور 'کلب' عام طور پر اُردو میں 'کلب' ہی پڑھے جاتے ہیں۔

اس لحاظ سے اُردو میں عربی زبان کی آوازیں کل انیس بنتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

ا، ب، ت، ج، د، ر، ز، س، ش، غ، ف، ق، ک، ل، م، ن، ھ، و، ی۔ اور اگر بعض لہجات کی رعایت رکھتے ہوئے ان میں 'ح اور ق' کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد اکیس تک پہنچ جاتی ہے۔(۱۷)

اُردو میں حرکات کی دو قسمیں ہیں:

i. حرکات قصیرہ ii. حرکات ممدودہ

یہ قریب قریب عربی ہی سے ماخوذ ہیں۔ اُردو میں ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ حرکاتِ قصیرہ یعنی چھوٹی حرکتیں: انہیں عربی میں فتحہ ،ضمہ، کسرہ کہا جاتا ہے جبکہ اُردو میں بعض اہلِ علم کے ہاں یہی اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں جب عوام کے ہاں انہیں بالترتیب، زبر، پیش، اور زیر کہا جاتا ہے۔ ان کا اُردو میں استعمال معمولی سے املے کے ساتھ تقریبا ایسا ہی ہے جیسا کہ عربی میں۔ان کی مثالیں درجِ ذیل ہیں:

i. فتحہ: (زبر) :غم، سب اور ہمارا

ii. ضمہ: (پیش): جیسے 'پل'، 'تم' اور 'سہاگ'

iii. کسرہ (زیر): جیسے 'دل'، 'انتباہ' اور 'انتہاء'

۲۔ حرکاتِ طویلہ یعنی لمبی حرکتیں: یہ الف، واؤ اور یاء سے پیدا ہونے والی طویل آوازیں ہیں۔الف کی مثال 'شام'، واوَ کی مثال 'خربوز' اور یاء کی مثال 'بولی' ہے۔

اُردو میں یاء کی دو قسمیں ہیں:

i. یائے مجہول

ii. یائے معروف، معروف کی مثال 'کی' اور مجہول کی مثال 'صدقے' ہے۔

۳۔ شد، سکون، اور تنوین: یہ سب عربی سے مأخوذ ہیں۔اُردو میں شد اور سکون کو عربی غیر عربی دونوں طرح کے الفاظ میں جبکہ تنوین کو صرف عربی الفاظ میں استعمال کیا جاتا ہے۔شد کی مثال عربی لفظ میں: جیسے 'شدت'، شد کی مثال غیر عربی لفظ میں: جیسے 'کتا'، 'بلا'۔

جزم کی مثال عربی الفاظ میں: جیسے 'افضل'، 'ہضم' اور غیر عربی الفاظ میں: جیسے: 'مرغ'، 'درد' وغیرہ۔

تنوین صرف عربی الفاظ میں مستعمل ہے: جیسے 'قصداً'، 'عملاً'، 'وزناً' وغیرہ۔

عربی آوازیں اُردو میں دو طریقوں سے منتقل ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ جب اُردو زبان نے عربی کا کوئی لفظ مستعار لیا تو عربی آواز بھی ساتھ ہی آ گئی۔ایسی آوازیں تلفظ میں تین طرح کی ہیں۔پہلی قسم میں وہ آوازیں ہیں جن کا تلفظ اُردو میں موجود آوازوں سے قریب تر تھا تو ان کے تلفظ میں اُردو دانوں کو کوئی مشکل نہ ہوئی۔دوسری وہ قسم ہے جس میں عربی الفاظ کو اُردو میں بھی عربی تلفظ سے بولا جاتا ہے۔تیسری قسم ایسے الفاظ کی ہے جن میں عربی آوازیں تو مختلف مخارج سے تعلق رکھتی ہیں مگر اُردو والے ان کے صحیح مخارج سے ان کی ادائیگی سے قاصر ہوتے ہیں، لہذا وہ مختلف آوازوں کے مخارج کو خلط ملط کر کے بولتے ہیں۔مثال کے طور پر اُردو والے ذ، ز، ض اور ظ کا تکلم ایک ہی طرح یعنی 'ز' سے کرتے ہیں۔

پھر تلفظ کے لحاظ سے اُردو بولنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ۔ایک تو وہ لوگ ہیں جو اہل علم ہیں یہ عربی کے ہر حرف کو اس کو اصلی کیفیت میں ادا کر سکتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو عربی حروف کی ادائیگی پر اچھی قدرت نہیں رکھتے چناں چہ وہ 'زاء' کو 'جیم'، 'شین' کو 'سین' پڑھتے ہیں اور بعض لوگ 'ق' کو 'ک'، 'خ' کو 'کھ' اور بعضے 'ک' کو 'خ' پڑھتے ہیں۔مثال کے طور پر علاقوں میں 'فرض' کو 'فرج'، 'ظہر' کو 'جہر' اور 'زکوٰۃ' کو 'جکاۃ' کہتے ہیں اسی طرح دوسرے حروف کو بھی وہ لگا کر ہی پڑھتے ہیں۔اُردو میں عربی اصوات کے اخذ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کئی آوازیں اہل اُردو نے عربی حروف کی طرح اختیار کر لی ہیں، حالاں کہ حقیقت میں وہ الفاظ غیر عربی زبانوں سے اُردو میں آئے تھے اور ان کی اپنی مخصوص آوازیں بھی تھیں۔مثال کے طور پر 'خچر' اور 'اخروٹ' دراصل 'کھچر' اور 'اکھروٹ' تھے مگر اُردو میں آ کر عربی لہجے سے متاثر ہوئے اور ان کا تلفظ 'خ' کی آواز سے ہونے لگا۔اسی طرح 'غٹا غٹ' اور 'غنڈا' وغیرہ دراصل 'گٹا گٹ' اور 'گنڈا' تھے مگر اُردو میں آ کر ان کی آوازیں 'غ' سے بدل گئیں۔اسی طرح 'فاء'، 'قاف' اور 'غین' بھی غیر عربی الفاظ میں اصل اصوات کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔[۱۸]

الفاظ اور کلمات کے لحاظ سے بھی اُردو نے عربی سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔عربی میں کلمے کی تین قسمیں ہوتی ہیں: اسم، فعل اور حرف۔اُردو میں بھی کلمے کا مطالعہ ان تینوں قسموں کے تحت ہی کیا جاتا ہے۔اس پر مزید یہ کہ عربی کلمے کی ان تینوں قسموں پر مشتمل مکمل الفاظ بکثرت اُردو میں مستعمل ہیں۔

تقریباً ہر قسم کے عربی اسماء کی ایک بڑی تعداد اُردو میں ایک یا ایک سے زائد مقاصد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں ۔اس کی وضاحت کے لیے مثال کے طور پر عربی مصادر کو لے لیجیے تو یہ اُردو میں عام اسماءِ جامدہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ان اسماء سے مصادر اور مشتقات بنانے کے لیے ان کے ساتھ کچھ غیر عربی سابقے لاحقے لگائے جاتے ہیں۔اُردو مصدر بنانے کے لیے دو طرح کے عام مصدر لگائے جاتے ہیں۔ان میں ایک عام مصدر 'ہونا' ہے، جس سے فعل لازم کا مصدر بنتا ہے اور دوسرا عام مصدر 'کرنا' ہے اس سے فعل متعدی کا مصدر بنتا ہے۔عربی کا مصدر 'الدفع' (ہٹانا) عربی میں فعل متعدی کے مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے، مگر جب اس سے اُردو فعل کا مصدر بناتے ہیں تو 'دفع ہونا' سے یہ فعل لازم کا مصدر بن جاتا ہے اور 'دفع کرنا' سے فعل متعدی بن جاتا ہے۔اسی طرح 'الترک' عربی میں متعدی استعمال ہوتا ہے جب کہ اُردو میں اس کے لازم اور متعدی ہونے کا دارومدار اس کے ساتھ 'ہونا' یا 'کرنا' لگانے پر ہوتا ہے۔اگر 'ترک ہونا' کہیں گے تو معنیٰ 'چھوڑا جانا' ہوگا اور 'ترک کرنا' کہیں گے تو معنیٰ 'چھوڑنا' ہوگا۔

بعض اوقات اُردو میں عربی مصادر کے مشتقات سے بھی مصدر بنا لیے جاتے ہیں جیسے 'ظالم' اپنے مصدر 'ظلم' سے مشتق ہے، مگر اس کے ساتھ اُردو کا عام مصدر 'ہونا' یا 'بننا' لگا دیا جائے تو 'ظالم ہونا' یا 'ظالم بننا' اُردو مصدر بن جاتا ہے۔اسی طرح 'مظلوم ہونا' اور 'مظلوم بننا' بھی کہہ سکتے ہیں۔[۱۹]

عموماً اُردو میں فعل کی ساخت عربی میں اس کی ساخت سے مختلف ہے۔ اُردو میں کسی اسم کو لے کر اس کے ساتھ اُردو کے عمومی افعال لگا کر اپنا مصدر اور پھر اسی سے فعل بنا لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مصدر کی بحث میں ذکر ہوا۔ اُردو مصدر عام طور پر 'ہونا' ہے جس سے فعل لازم بنتا ہے اور دوسرا عام مصدر 'کرنا' ہے، جس سے فعل متعدی کا مصدر بنتا ہے۔ عربی کا مصدر 'الدفع' (ہٹانا) عربی میں فعل متعدی کے مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے، مگر جب اس سے اُردو فعل کا مصدر بناتے ہیں تو 'دفع ہونا' سے یہ فعل لازم بن جاتا ہے اور 'دفع کرنا' سے فعل متعدی بن جاتا ہے۔ اسی طرح 'الترک' عربی میں متعدی استعمال ہوتا ہے جب کہ اُردو میں اس کے لازم اور متعدی ہونے کا دارومدار اس کے ساتھ 'ہونا' یا 'کرنا' لگانے پر ہوتا ہے۔ اگر 'ترک ہونا' کہیں گے تو معنی 'چھوڑا جانا' ہوگا اور 'ترک کرنا' کہیں گے تو معنی 'چھوڑنا' ہوگا۔

البتہ عربی افعال بعض اوقات اُردو میں محاورے کے طور پر جوں کے توں استعمال ہو جاتے ہیں، جیسے 'مات کرنا' اور قیل وقال وغیرہ

اس کے علاوہ اُردو میں عربی کے اسماءِ افعال (۲۰) بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے فقط، اُف وغیرہ۔

اُردو میں استعمال ہونے والی دینی اصطلاحات کو غالبا عربی ہی ہیں، جیسے صوم وصلاۃ، زکوٰۃ، حج، رکعت، رکوع، قرآن وغیرہ وغیرہ۔ اُردو میں عربی کے اثر کا یہ بھی ایک ایسا پہلو ہے جو مفصل مقالے کا متقاضی ہے لہٰذا یہاں اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اُردودائرہ معارف اسلامیہ (جلد دوم) لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ص ۳۳۱

۲۔ احمد شناوی، ابراہیم زکی خورشید، عبدالحمید یونس (ترجمہ) دائرۃ المعارف الاسلامیہ (عربی) جلد اوّل، ص ۵۹۴ تا ۵۹۵

۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اُردولسانیات (طبع اوّل) کراچی: ۱۹۶۶ء، ص ۱۳، ۱۴۔

۴۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، اُردولسانیات، ص ۱۷۔

۵۔ محمد حیات خان سیال پروفیسر، شمیم حیات سیال، پروفیسر، معیاری نقد وادب، اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ (جلد دوم)، لاہور: ماسٹر الائیڈ بک سنٹر، ص ۳۳۴

۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادبِ اُردو (جلد اوّل) ص ۳، ۴۔

۷۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اُردولسانیات، ص ۳۵، ۳۶

۸۔ صغیر احمد جان، تاریخ زبان وادب اُردو (طبع اوّل) کراچی: نشر نفیس اکیڈمی اُردو بازار، پاکستان، نومبر ۱۹۸۷ء، ص ۴۵

۹۔ اُردودائرہ معارفِ اِسلامیہ (طبع اوّل) لاہور: دانش گاہ پنجاب (جلد دوم)، ص ۳۳۱

۱۰۔ عبداللہ مبشر الطرازی، ڈاکٹر، موسوعة التاریخ الاسلامی والحضارة الاسلامیه لبلاد السند و البنجاب فی عهد العرب، ص ۴۰۳

۱۱۔ حوالہ بالہ، ص ۴۰۳۔۴۰۴

۱۲۔ حوالہ بالا، ص ۴۰۶ تا ۴۰۷، اور ص ۴۰۲ تا ۴۰۴

۱۳۔ اُردودائرہ معارف اسلامیہ (جلد دوم)، ص ۳۳۲-۳۳۳

۱۴۔ دائرة المعارف الإسلامية (عربی)، مضمون اُردو، ص ۵۹۴

۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: باحیدر شہریانتوی، ڈاکٹر سیّد، رہنمائی زبان اُردو، فارسی (جلد اوّل)، تہران: چاپخانہ دانش گاہ، ۱۳۳۷ھ (جلد اوّل)، ص ۹، ۱۰

۱۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، (طبع دوم) ۱۹۸۴ھ، ج ا،ص ۱۱، ۱۲

۱۷۔ صوتی نظام کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: سمیر عبدالحمید ابراہیم مصری، ڈاکٹر، القواعد الأساسیة لدراسة الأردیة (طبع اوّل)، مارچ ۱۹۷۸ء، لاہور: ملک بک ڈپو، اُردو بازار، ص ۱-۳

۱۸۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: گیان چند جین، عام لسانیات، ص ۳۶۳-۳۶۵

۱۹۔ اُردو مصادر کی تفصیل کے لئے دیکھئے: غلام جیلانی مخدوم، درسی اُردو کمپوزیشن مع گرائمر (طبع اوّل) ۱۹۵۳ء گجرات: درسی ادارہ لمیٹڈ، ایجوکیشنل پبلشرز، ص ۲۱-۲۷

۲۰۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: بشیر احمد صدیقی، پروفیسر، درسی اُردو کمپوزیشن، جواہر اللغات، لاہور: کتابستان پبلشنگ کمپنی، ص ۱۴۱

۲۴۔ درسی اُردو کمپوزیشن، ص ۱۰۷، ۱۳۷، ۲۲۲

۲۵۔ حوالہ بالا، ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۳۷، ۱۷۹

مصادر و مراجع

۱۔ ابراہیم، سمیر عبدالحمید، ڈاکٹر، القواعد الأساسیة لدراسة الأردیة (طبع اوّل) لاہور: ملک بک ڈپو، اُردو بازار، مارچ ۱۹۷۸ء

۲۔ اُردو دائرہ معارفِ اِسلامیہ (طبع اوّل)، لاہور: پنجاب یونیورسٹی

۳۔ عبدالرحمٰن امرتسری، مولانا، کتاب الصرف، (د۔ت)، انڈیا: کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، یوپی

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادبِ اُردو، ط۲، لاہور: مجلس ترقی ادب، ص ۱۹۸۴ء

۵۔ صغیر احمد جان، تاریخ زبان وادب اُردو، ط۱، نومبر ۱۹۸۷ء، کراچی: نفیس اکیڈمی اُردو بازار

۶۔ گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، ط۱، انڈیا: ترقی اُردو بیورو، نیو دہلی، اپریل ۱۹۸۵ء

۷۔ عبدالستار خان، مولانا، عربی کا معلم، کراچی: نور محمد کارخانۂ کتب

۸۔ احمد شنتاوی، ابراہیم زکی خورشید، عبدالحمید یونس (ترجمہ) دائرۃ المعارف الاسلامیہ

۹۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اُردو لسانیات (طبع اوّل) کراچی: مکتبہ تخلیق ادب بندر روڈ، ۱۹۶۶ء

۱۰۔ محمد حیات خان، سیال، پروفیسر، وشمیم حیات، پروفیسر، معیاری نقد و ادب، ماسٹر الائیڈ بک سنٹر

۱۱۔ نذیر احمد، ڈپٹی، شمس العلماء، توبة النصوح، (د۔ت۔)، کراچی: سندھ اکیڈمی مشن روڈ

۱۲۔ بشیر احمد صدیقی، پروفیسر، جواہر اللغات، لاہور: کتابستان پبلشنگ کمپنی لاہور

۱۳۔ الطرازی عبداللہ، ڈاکٹر، **موسوعة التاريخ الاسلامی والحضارة الاسلامية لبلاد السند و البنجاب فی عهد العرب**، جدہ: عالم المعرفۃ، سعودی عرب

۱۴۔ مخدوم، غلام جیلانی، درسی اُردو کمپوزیشن مع گرائمر، ط۱، گجرات: درسی ادارہ لمیٹڈ، ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۵۳ء

۱۵۔ **المعجم الوجيز، مجمع اللغة العربية مصر**

۱۶۔ نقوی، باحید رشہریار، سیّد، ڈاکٹر، رہنمائی زبان اُردو (فارسی)، تہران: چاپخانہ دانشگاہ، ۱۳۳۷ھ

❁❁❁